کروانے کا کام ہی نہیں کیا بلکہ خدا اور اس کے رسول سے محبت کا درس بھی دیا ہے۔ اِن کے خلوص نے کلام میں بڑا اثر پیدا کیا ہے۔

دردؔ اسی اثر کے بارے میں کہتے ہیں کہ میں خود تو دنیا سے رخصت ہو رہا ہوں لیکن اپنے بدلے میں اپنے کلام کا اثر دنیا میں چھوڑے جا رہا ہوں' جو میرے مرنے کے بعد بھی لوگوں کے دِلوں سے مٹ نہ سکے گا۔ لوگ قیامت تک میرے کلام کی خصوصیات' اس کی خوبیوں' رعنائیوں اور لطافتوں سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے اور تصوف میں رہنمائی حاصل کریں گے اگرچہ میرا فانی جسم مٹ جائے گا لیکن میرے کلام کی اثر آفرینی مجھے لوگوں میں زندہ رکھے گی۔ دردؔ کے کلام کا جائزہ لیں تو غزل کے اِس مقطع کو شاعرانہ تعلّی نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ اِن کا کلام آج بھی وہی اثر رکھتا ہے جو اِن کی زندگی میں تھا۔ ان کی موت کے بعد ہزاروں انقلاباتِ زمانہ نے لوگوں کے بڑے بڑے فن پاروں کا وجود مٹا دیا۔ اپنے دَور کے شہ پارے کوڑیوں کے مول بک گئے لیکن دردؔ کا مختصر سا دیوان آج بھی ہر دردمند دِل کا ترجمان نظر آتا ہے۔ یہ اِن کے کلام کی اثر آفرینی کی زندہ مثال ہے۔

یہ اثر صرف شاعری ہی میں نہیں ہوتا بلکہ فنونِ لطیفہ سے تعلق رکھنے والے ہر بڑے کارنامے میں موجود ہوتا ہے۔ صادقین کی خطاطی ہو یا تاج محل آگرہ۔ سپین میں مسجد قرطبہ ہو' شیکسپیئر کے ڈرامے ہوں یا حسان بن ثابت کی نعت گوئی' شیخ سعدی اور مولانا روم کی اخلاقی فارسی شاعری ہو یا میر تقی میرؔ' مرزا غالبؔ' میر انیسؔ' علامہ اقبال کی شاعری، ان تمام شہ پاروں کی تاثیر میں آج بھی کمی واقع نہیں ہوئی۔ کیونکہ ان تخلیق کاروں نے اپنے کام اور کلام کو عشق کی قوت سے لافانی بنا دیا ہے۔

دردؔ نے غزل کے اس مقطع میں اپنے تخلص کا ذو معنی استعمال کیا ہے' جس طرح کوئی دردؔ پیدا ہو کر ختم بھی ہو جائے۔ تو اس کا اثر دیر تک باقی رہتا ہے۔ اسی طرح دردؔ کے کلام میں تصوف کی اخلاقی اور اسلامی تعلیم کی وجہ سے قیامت تک اس کا اثر دِلوں میں موجود رہے گا۔ اس مقطع میں اثر سے مراد میر دردؔ کے چھوٹے بھائی میر اثرؔ بھی ہیں' جو دردؔ کے بعد ان کے جانشین مقرر ہوئے اور دردؔ کو توقع تھی کہ رشد و ہدایت کا یہ سلسلہ قیامت تک قائم رہے گا۔ میر اثرؔ' دردؔ کی طرح صوفی باعمل بھی تھے اور شاعر بھی۔

2۔ غزل ـــــ خواجہ میر دردؔ

شعر 1:

کیا فرق داغ و گُل میں کہ' جس گُل میں بُو نہ ہو
کس کام کا وہ دِل ہے کہ' جس دِل میں تُو نہ ہو

مفہوم: جس پھول میں خوشبو نہ ہو وہ صرف ایک داغ ہے۔ اسی طرح جس دل میں اللہ تعالیٰ کی ذات نہ ہو، وہ دِل بیکار ہے۔ گوشت کا لوتھڑا تو ہے' دِل نہیں۔

تشریح: خواجہ میر دردؔ غزل کے اِس مطلع میں گُل اور اِس کی خوشبو سے تعلق کا ذِکر کر کے انسانی دِل کی خوشبو اللہ تعالیٰ کو قرار دیتے ہیں' جس طرح کسی پھول میں خوشبو نہ ہو تو وہ صرف ایک نشان یا داغ ہی تو ہے' پھول ہرگز نہیں

ہے پھول اس وقت پھول ہے جب وہ رنگ کے ساتھ ساتھ خوشبو بھی رکھتا ہو۔ ہماری آنکھیں بند بھی ہوں اور کوئی شخص ہمارے قریب کوئی پھول لائے تو اُس کی خوشبو سے پتہ چل جاتا ہے کہ یہ گلاب کا پھول ہے' چنبیلی یا گیندے کا پھول ہے اور اگر خوشبو نہ ہو تو کھلی آنکھوں سے بھی ہم پھول کو نہ پہچان پائیں گے اُسے پھول کی تصویر' کاغذی پھول یا ایک داغ ہی قرار دیں گے۔ گویا خوشبو کے بغیر پھول' پھول نہیں' پھول کی حقیقت اِس کی خوشبو ہے۔ خواجہ میر درد اس حقیقت کا اظہار کر کے اب ہماری توجہ اصل بات کی طرف مبذول کرا رہے ہیں ایک حدیثِ پاک ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مومن کے دِل میں سما سکتا ہے ورنہ وہ بہت بڑا ہے ارض و سما اس کی وسعت کو نہیں پا سکتے۔ اس مناسبت سے اگر ہم اپنے دِل میں خدا کی ہستی کا احساس نہیں کرتے' اِس کی یاد دِل میں نہیں رکھتے' اُس کی ہستی کا ادراک دِل میں نہیں رکھتے تو وہ دِل ایک ایسے پھول کی مانند ہے جس میں خوشبو نہ ہو۔ اس لیے اپنے دِل کو ایک مومن کا دِل بناتا ہے' حقیقی دِل بناتا ہے' زندہ دِل بناتا ہے تو اس میں اللہ کی یاد پیدا کرو۔

عاشق جب تک اپنے دِل میں محبوب کی یاد نہیں رکھتا وہ دِل بیکار ہی رہتا ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ

ع جو دم غافل سو دم کافر

کیونکہ محبوب کی تمنا اور یاد ہی دِل کو زندہ رکھتی ہے۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے:

سیرت نہ ہو تو عارض و رخسار سب غلط
خوشبو اُڑی تو پھول فقط رنگ رہ گیا

شعر 2: ہووے نہ حول و قوت' اگر تیری درمیاں
جو ہم سے ہو سکے ہے' سو ہم سے کبھو نہ ہو

مشکل الفاظ کے معانی: ○ ہووے نہ: نہ ہو ○ **حول وقوت:** طاقت اور قدرت' حول وقوت' لاحول ولا قوۃ الا باللہ کا مخفف یعنی خدائے بزرگ و برتر کے سوا کسی کو طاقت اور قدرت حاصل نہیں ہے ○ **کبھو:** کبھی' پرانی اُردو میں کبھی کو کبھو لکھتے اور بولتے تھے۔

مفہوم: خدا ہر عمل اور ہر چیز پر قادر ہے۔ ہمارا ہر عمل اُسی کی مرضی کے تابع ہے۔

تشریح: خواجہ میر درد غزل کے اس شعر میں اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت اور قدرت کا ذکر اس طرح کرتے ہیں کہ اے خداوند تعالیٰ بے شک تو نے ہمیں کچھ عمل کرنے کا اختیار بھی دیا ہے لیکن یہ اختیار بھی تیری قدرت اور طاقت کے تابع ہے۔ تیری مرضی کا مرہونِ منت ہے۔ یعنی تو نے عمل کرنے کی جو قوت ہمیں عطا کی ہے اگر اس میں تیری طاقت' قدرت اور مرضی شامل نہ ہو تو ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ تیری مرضی کے بغیر تو ایک پتا بھی حرکت نہیں کر سکتا۔ اس لیے ہم پر جبر کی کیفیت ہے۔ خواجہ میر درد ''قدریہ'' نظریے کے بجائے ''جبریہ'' نظریے کے قائل

ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کوئی کام اپنی مرضی کے مطابق نہیں کر سکتے یعنی ہم کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف نہیں کر سکتے وہ اپنے کسی نیک عمل کو بھی اپنا عمل نہیں کہتے بلکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کا ارادہ ہوتا ہے۔ بعض اوقات بلکہ بسا اوقات انسان سے غلطیاں اور گناہ بھی سرزد ہوتے ہیں لیکن صوفی ان گناہوں سے توبہ کر کے اپنا سر خدا کے سامنے جھکا کر اس کی بزرگی، بڑائی اور وحدانیت کا اقرار کرتے ہیں۔

صوفیا نفسِ امارہ کو مارنے کے بعد یا دنیاوی خواہشات کو ترک کرنے کے باوجود یہی سمجھتے ہیں کہ ہم، ہم نہیں ہیں۔ ایک حدیثِ مبارکہ میں ارشاد ہے کہ جب کوئی بندہ اپنے ارادے اور عمل کو خدا کی مرضی کے تابع کر دیتا ہے تو اس کا کوئی بھی عمل اس کا ذاتی عمل نہیں رہتا۔ اس کا ہر عمل خدا کا عمل ہو جاتا ہے۔ گویا ہم کوئی بھی کام اپنی مرضی سے نہیں کر سکتے۔ بقول محمد اشرف خان:

میرا فن، تخلیق میری ہے مگر میرے خدا
تیری قوت، تیری طاقت کے سوا کچھ بھی نہیں

شعر 3: جو کچھ کہ ہم نے کی ہے تمنا، ملی مگر
یہ آرزو رہی ہے کہ کچھ آرزو نہ ہو

مشکل الفاظ کے معانی: ○ تمنا: خواہش، آرزو

مفہوم: ہماری ہر آرزو پوری ہوئی لیکن یہ آرزو پوری نہ ہو سکی کہ دل میں کوئی آرزو ہی پیدا نہ ہو۔

تشریح: خواجہ میر درد اللہ کی شانِ ربوبیت کو بیان کرتے ہیں کہ ہم نے جب کبھی جو کچھ بھی خدا سے مانگا، اس پالنے والے نے، عطا فرمانے والے نے عطا فرمایا۔ حتیٰ کہ اتنا کچھ دیا کہ بن مانگے بھی جھولیاں بھر دی گئیں۔ اتنا دیا کہ اب یہ خواہش ہے کہ کوئی بھی آرزو اور خواہش نہ کریں۔ اُس کی مرضی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں۔ وہ جو کچھ عطا فرمانا چاہے، عطا فرمائے۔ خوشی ہو یا غم، دُکھ ہو یا راحت ہر بات میں اس کی رحمت کارفرما ہوتی ہے۔ ذرا غور کریں کہ جسے ہم خوشی اور راحت سمجھ کر مانگتے ہیں ممکن ہے اس کا انجام دُکھ اور تکلیف ہو اور مانگی ہوئی خوشی اور راحت ہمارے لیے مصیبت بن جائے اور جو کچھ وہ اپنی رضا سے عطا فرمائے تکلیف بھی ہو تو گناہوں کا کفارہ بن جائے۔ موت بھی آئے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی ہو۔ ایک مریض جو درد سے تڑپ رہا ہو۔ اللہ کی رحمت، موت کی صورت میں اس کے دُکھوں کا مداوا کر دے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں سے جو مانگو وہ ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بندے کی کوئی دُعا رد نہیں کرتا البتہ قبول کرنے کے انداز اس کے اپنے ہیں۔ مانگنے والے کو، جو کچھ وہ مانگتا ہے، دنیا میں عطا فرما دیتا ہے تو آخرت میں اس کا حصہ نہیں رکھتا۔ دوسری صورت میں انسان جو مانگتا ہے ممکن ہے وہ مانگنے والے کے حق میں بہتر نہ ہو یہ صرف اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اس لیے اُس کی مطلوبہ خواہش کے بجائے اُسے کچھ اور عطا فرما دیتا ہے جو اُس کے حق میں بہتر ہو یا تیسرا انداز یہ ہے کہ دنیا میں مانگی ہوئی دُعاؤں اور تمناؤں کو اپنے پاس جمع کرتا رہتا ہے اور قیامت کے روز ان تمام دُعاؤں کو بہت کچھ اضافے کے ساتھ یوں عطا فرمائے گا کہ خود بندے کو بھی اپنے آپ پر رشک آئے گا اور دیکھنے والے بھی یہ تمنا کریں گے کہ کاش دنیا میں اُن کی کوئی تمنا اور دُعا پوری

نہ ہوتی بلکہ آج قیامت کے دن اس انداز میں ملتی۔

اس شعر کا ایک اور پہلو یہ بھی ہے کہ دنیا کے تمام مفکرین' اولیا اور انبیا ہمیشہ اپنی تمناؤں اور آرزوؤں سے کنارہ گیر ہی رہتے ہیں اور یہ حقیقت بھی ہے کہ جو شخص اپنی تمناؤں اور خواہشوں کو دبا لیتا ہے وہ ہمیشہ راحت پاتا ہے۔ گویا دنیاوی عیش و آرام کی تمنا کرنے کے بجائے انسان کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا چاہیے۔ بندے کے حق میں جو کچھ بہتر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے وہی کچھ عطا فرماتا ہے۔ ہر عطا میں اس کی مصلحت ہوتی ہے۔ اب سب سے بڑی تمنا یہ ہے کہ کاش ہماری کوئی تمنا ہی نہ ہو بقول شرف

؎ زندہ ہیں آرزو کے تسلسل سے ہم مگر
بے آرزو ہو زندگی یہ بھی طلب رہی

شعر 4: **جوں شمع جمع ہوویں گر اہلِ زباں ہزار**
آپس میں چاہیے کہ کبھی گفتگو نہ ہو

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **جوں:** جیسے مانند' مثل (حرفِ تشبیہ) ○ **اہلِ زباں:** زبان والے' کسی زبان کے ماہر لوگ جن کی وہ مادری زبان ہو اور اس زبان پر انہیں مکمل عبور حاصل ہو۔

مفہوم: ہزاروں اہلِ زبان لوگ اگر جمع ہو جائیں تو ان کے درمیان ہزاروں شمعوں کی طرح بغیر بولے ابلاغ ہو جائے۔

تشریح: خواجہ میر درد شعر میں تشبیہ کی مدد سے اپنا مقصد واضح کرتے ہیں' وہ صرف زبان کو ابلاغ کا ذریعہ نہیں سمجھتے۔ کسی جگہ ہزاروں شمعیں جلنے کے بعد ہزاروں زبانیں رکھنے کے باوجود وہ کوئی بات نہیں کرتیں یعنی ان کے شعلے زبان کی طرح ہوتے ہیں مگر گفتگو نہیں ہوتی' گفتگو نہ ہونے کے باوجود ان کا عمل ایک ہی ہوتا ہے وہ اندھیرے کا سینہ چیر کر سب مل کر اُجالا پھیلاتی ہیں۔ یہی ان کے درمیان ذریعۂ ابلاغ ہوتا ہے۔ خواجہ میر درد اہلِ زبان کو مخلصانہ مشورہ دے رہے ہیں کہ آپس میں اختلافات رکھنے کے بجائے شمع سے سبق حاصل کریں۔ آپس کے اختلافات بھلا کر بہتری اور بھلائی کو مطمعِ نظر بنایا جائے یہ بات زندگی کے ہر شعبے میں پیشِ نظر رکھی جا سکتی ہے۔ ہزاروں شمعیں جلنے پر ان کا آپس میں کوئی جھگڑا نہیں ہوتا۔ ہزاروں پروانوں کا شمع کے گرد طواف ہونے پر آپس کا جھگڑا نہیں ہوتا' لاکھوں فرزندانِ توحید کا خانۂ کعبہ کا طواف کرتے وقت ایک ہی نظریہ ہوتا ہے۔ لاکھوں عشاق کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ پر حاضری کے وقت ایک ہی نظریہ ہوتا ہے۔ اسی طرح' اہلِ زبان کو بھی آپس کے اختلافات بھلا کر علم و ادب کی ترویج و ترقی پر توجہ دینی چاہیے۔

شعر 5: **جوں صبح' چاکِ سینہ مرا' اے رفوگراں!**
یاں تو کسو کے ہاتھ سے ہرگز رفو نہ ہو

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **جوں:** جیسے مانند' مثل (حرفِ تشبیہ) ○ **جوں صبح:** صبح کی طرح ○ **چاکِ سینہ:** پھٹا ہوا سینہ' پھٹا ہوا گریبان ○ **رفوگراں:** رفو کرنے والے' پھٹے ہوئے کپڑے کو مرمت کرنے والے

○ رفو: پھٹے ہوئے کپڑے کو نہایت مہارت کے ساتھ مرمت کرنا ○ یاں: یہاں' پرانی اُردو میں یہاں کو یاں لکھا اور بولا جاتا تھا ○ کسو: کسی' پرانی اُردو میں کسی کو کسو لکھا اور بولا جاتا تھا۔

مفہوم: عاشق کا چاک کیا ہوا گریبان رفو نہیں کیا جا سکتا۔

تشریح: خواجہ میر درد نے زیرِ نظر شعر میں تشبیہ اور صنعت تضاد (گریباں چاک اور رفو کے الفاظ) استعمال کر کے حُسن پیدا کیا ہے۔ خواجہ میر درد ایک عاشقِ صادق کے چاک کیے ہوئے گریبان کو صبح کے طلوع ہونے سے تشبیہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ جس طرح پو پھٹنے اور صبح کا اُجالا پھیلنے پر رات کی تاریکی چھٹ جاتی ہے۔ اسی طرح ایک عاشق جب اپنا گریبان چاک کرتا ہے تو یہ اس بات کی نشانی ہے کہ اس نے اپنے وجود کی تاریکی کو عشق کے نور سے منور کر لیا ہے۔ صبح کی پھیلتی ہوئی روشنی کو سیا نہیں جا سکتا' بالکل اسی طرح ایک عاشق کے پھٹے ہوئے گریباں کو سینا ممکن نہیں ہے۔ گویا عشق کو ایک مرضِ جان کر اس کی چارہ گری کرنے والے ہمیشہ ناکام ہوتے ہیں اگر یہ مرض ہے تو یہ مرض لاعلاج ہے جبکہ میر درد عشق کو مرض نہیں قرار دے رہے بلکہ عشق' ذات کی روشنی ہے جو عاشق کو تاریکیوں سے نکال کر اُجالوں میں لے آتی ہے۔ اُسے محبوب کا جلوہ نظر آنے لگتا ہے۔ چنانچہ عاشق کو اپنے ماحول میں گھٹن اور تنگی محسوس ہوتی ہے۔ اُس کا دم گھٹنے لگتا ہے اور وہ اس وسعتِ آفاق کو بھی زنداں محسوس کرتا ہے۔ وہ اپنا گریبان بھی چاک کر لیتا ہے۔ اگر وقتی طور پر گریبان سی بھی لیا جائے تو عاشق اسے دوبارہ چاک کر لیتا ہے۔ اس کی مرمت کرنا یا رفو کرنا لاحاصل ہوتا ہے۔ خواجہ میر درد نے گریبان چاک کرنے کو پو پھٹنے سے تشبیہ دے کر ایک انوکھی بات پیدا کی ہے۔ اُردو شاعری میں ایسی تشبیہ پہلے موجود نہ تھی۔ یہ بات خواجہ میر درد کی جدت پسندی کو ظاہر کرتی ہے۔

شعر 6: اے درد زنگ صورت اگر اس میں جا کرے
اہلِ صفا میں آئینۂ دل کو رُو نہ ہو

مشکل الفاظ کے معانی: ○ زنگ: کسی دھات یا لوہے کا میل' کدورت' رنج' سیاہی' تاریکی ○ جا: جگہ' مقام ○ اہلِ صفا: صاف باطن لوگ' نیک لوگ ○ آئینۂ دل: دل کا آئینہ' روشن ضمیری' صاف باطن' صاف دل ○ رُو: شکل' صورت' چہرہ

مفہوم: نیک لوگوں کے دل کے آئینے میں اگر زنگ یا کدورت پیدا ہو جائے تو وہ نیک اور پاک دل نہیں رہتے اور اپنے مقصد میں ناکام رہتے ہیں۔

تشریح: خواجہ میر درد' معاشرے میں محبت اور پیار کی اہمیت کا احساس دلاتے ہوئے کہتے ہیں کہ اہلِ صفا کبھی کسی کے خلاف نفرت یا اپنے دل میں کدورت نہیں رکھتے وہ انسانوں سے پیار کرتے ہیں' انسانیت کا احترام کرتے ہیں۔ اس طرح معاشرے میں محبت کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔ لوگ ایک دوسرے کے کام آنے' ایک دوسرے کی مدد کرنے' ایک دوسرے کے حقوق کا خیال کرنے اور اپنے فرائض ادا کرنے کو اہمیت دیتے ہیں تو

○ رفو: پھٹے ہوئے کپڑے کو نہایت مہارت کے ساتھ مرمت کرنا ○ یاں: یہاں' پرانی اُردو میں یہاں کو یاں لکھا اور بولا جاتا تھا ○ کسو: کسی' پرانی اُردو میں کسی کو کسو لکھا اور بولا جاتا تھا۔

مفہوم: عاشق کا چاک کیا ہوا گریبان رفو نہیں کیا جا سکتا۔

تشریح: خواجہ میر درد نے زیرِ نظر شعر میں تشبیہ اور صنعت تضاد (گریباں چاک اور رفو کے الفاظ) استعمال کر کے حُسن پیدا کیا ہے۔ خواجہ میر درد ایک عاشقِ صادق کے چاک کیے ہوئے گریبان کو صبح کے طلوع ہونے سے تشبیہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ جس طرح پو پھٹنے اور صبح کا اُجالا پھیلنے پر رات کی تاریکی چھٹ جاتی ہے۔ اسی طرح ایک عاشق جب اپنا گریبان چاک کرتا ہے تو یہ اس بات کی نشانی ہے کہ اس نے اپنے وجود کی تاریکی کو عشق کے نور سے منور کر لیا ہے۔ صبح کی پھیلتی ہوئی روشنی کو سیا نہیں جا سکتا' بالکل اسی طرح ایک عاشق کے پھٹے ہوئے گریباں کو سینا ممکن نہیں ہے۔ گویا عشق کو ایک مرضِ جان کر اس کی چارہ گری کرنے والے ہمیشہ ناکام ہوتے ہیں اگر یہ مرض ہے تو یہ مرض لاعلاج ہے جبکہ میر درد عشق کو مرض نہیں قرار دے رہے بلکہ عشق' ذات کی روشنی ہے جو عاشق کو تاریکیوں سے نکال کر اُجالوں میں لے آتی ہے۔ اُسے محبوب کا جلوہ نظر آنے لگتا ہے۔ چنانچہ عاشق کو اپنے ماحول میں گھٹن اور تنگی محسوس ہوتی ہے۔ اُس کا دم گھٹنے لگتا ہے اور وہ اس وسعتِ آفاق کو بھی زنداں محسوس کرتا ہے۔ وہ اپنا گریبان بھی چاک کر لیتا ہے۔ اگر وقتی طور پر گریبان سی بھی لیا جائے تو عاشق اسے دوبارہ چاک کر لیتا ہے۔ اس کی مرمت کرنا یا رفو کرنا لاحاصل ہوتا ہے۔ خواجہ میر درد نے گریبان چاک کرنے کو پو پھٹنے سے تشبیہ دے کر ایک انوکھی بات پیدا کی ہے۔ اُردو شاعری میں ایسی تشبیہ پہلے موجود نہ تھی۔ یہ بات خواجہ میر درد کی جدت پسندی کو ظاہر کرتی ہے۔

شعر 6: اے درد زنگ صورت اگر اس میں جا کرے
اہلِ صفا میں آئینۂ دل کو رُو نہ ہو

مشکل الفاظ کے معانی: ○ زنگ: کسی دھات یا لوہے کا میل' کدورت' رنج' سیاہی' تاریکی ○ جا: جگہ' مقام ○ اہلِ صفا: صاف باطن لوگ' نیک لوگ ○ آئینۂ دل: دل کا آئینہ' روشن ضمیری' صاف باطن' صاف دل ○ رُو: شکل' صورت' چہرہ

مفہوم: نیک لوگوں کے دل کے آئینے میں اگر زنگ یا کدورت پیدا ہو جائے تو وہ نیک اور پاک دل نہیں رہتے اور اپنے مقصد میں ناکام رہتے ہیں۔

تشریح: خواجہ میر درد' معاشرے میں محبت اور پیار کی اہمیت کا احساس دلاتے ہوئے کہتے ہیں کہ اہلِ صفا کبھی کسی کے خلاف نفرت یا اپنے دل میں کدورت نہیں رکھتے وہ انسانوں سے پیار کرتے ہیں' انسانیت کا احترام کرتے ہیں۔ اس طرح معاشرے میں محبت کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔ لوگ ایک دوسرے کے کام آنے' ایک دوسرے کی مدد کرنے' ایک دوسرے کے حقوق کا خیال کرنے اور اپنے فرائض ادا کرنے کو اہمیت دیتے ہیں تو